سلسلۂ عصمت

بچّہ کا کرتہ

ایک دلچسپ موثر فسانہ

تصنیف

جناب علامہ راشد الخیری مدظلہ

مصنف شب زندگی ستونتی روداد قفس وغیرہ

جسے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت نے

پہلی مرتبہ ماہ فروری ۱۹۲۶ء

محبوب المطابع برقی پریس دہلی میں چھپوا کر

قیمت   دفتر عصمت دہلی سے شائع کیا

ایک دلچسپ عبرت انگیز افسانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بچہ کا کرتا

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم گھنٹے اور دن نہیں مہینے
اور سال صرف اسی فکر میں بسر ہوئے مگر آج تک قیاس کام نہ کر سکا کہ
فیروزہ کی اس مصیبت کی نوعیت تھی کیا؟ وحشی، خبطی، سودائی، دیوانے
دیکھے سنے ملے پڑے ہیں، یعقوب کی بے صبری، زلیخا کی بے تابی، یوسف کا
بہتان، صنعا کی گمراہی جس کی تہ میں عشق کا پورا ہاتھ تھا خوب سنی اور اچھی طرح
پڑھی، حبک الشی یعمی و یصم بھی معلوم ہے، لیکن یہ پتہ جب چلا نہ اب چلتا
ہے کہ فیروزہ کی اس حالت پر محبت کی کونسی ہیئت کا اطلاق ہوگا۔ مامتا
آدمی اور جانور دونوں کی دیکھی بھالی ہی کی وہ کیفیت ایک دفعہ نہیں بارہا
نظر آئی کہ ایک ہاتھ سے گھر گھر چکی پیس رہی ہے اور دوسرے ہاتھ سے
بچے کو چھینٹے دے دے کر نہال نہال ہے۔ مرغی کی یہ حالت دن رات
دیکھتے ہیں کہ چیل کے جھپٹے پر بچوں کی حفاظت میں دو دو گز اونچی اچھل
گئی۔ لیکن فیروزہ کا یہ رنگ ہم نے تو کہیں اور دیکھا نہیں کہ بچہ حارث
چھ مہینے کی جان خاصا اچھا بھلا چنگا پنگوڑے میں پڑا انگوٹھا چوس

رہا ہے، اور وہ بیر ابر بیٹھی زار و قطار اس خیال سے رو رہی ہے
کہ اس کو اب بخار چڑھے گا۔ عید الضحیٰ کے موقعہ پر
قصائی نے قربانی کی اور وہ یہ کہہ کر گر پڑی کہ بکرے کے بدلے
میرے حارث کو ذبح کر دیا، فیروزہ کے پاس حارث بندر کے
ہاتھ ناریل تھا، کبھی دیکھ کر ہنستی اور کبھی دیکھ کر روتی۔ اس کی
داستان خبط اپنے ہی گھر اور محلہ میں کیا دوسرے گھروں اور پر
محلوں میں پہونچ چکی تھی، اس کے وہم پر غیر نہیں اپنے۔ اور
جان پہچان نہیں عزیز قریب ہنستے تھے، مچھروں کے کاٹنے
سے آٹھ دس دانہ جسم پر پڑ گئے، اور وہ دھاروں رو رہی ہے
کہ چیچک نکل آئی۔ ماتھے پر سے دو وڑا۔ اور وہ سمجھی سے اور [illegible]
حارث کسی اعتبار سے بھی غیر معمولی بچہ نہ تھا، بلکہ باعتبار شکل و
صورت اوسط سے بھی کم، مگر ما کا یقین یہ تھا کہ گھر سے باہر
نکلا اور نظر لگی، یہ یقین زیادہ قابل اعتراض نہیں، اس لئے
ماں تھی اور حق رکھتی تھی کہ جو چاہے سمجھے، بھونرے میں پانی،
پر پتیں میں جھلاتی، آنکھوں پر بٹھاتی، مگر یہ حق تھا نہ ہو سکتا
تھا کہ بچہ سوتے میں اچھلا، اور اس نے کہا پڑوسن نے
جادو کیا، یہ صحیح کہ شوہر کے بعد عمر بھر کی کمائی زندگی کا پونجی
بڑھاپے کا سہارا جو کچھ تھا وہ حارث، مگر یہ غلط کہ فیروزہ دل
کے ساتھ سارا کنبہ اس کے لال کو سجدہ کرے اور [illegible]

کہ وہ بچہ کی حمایت میں جائز و جائز دوسروں کو مطعون کرے اور عزیز اس کی ہاں میں ہاں ملائیں،

۲

یہ حیات انسانی کا مقررہ اصول ہے کہ ہر ماں سہاگن ہو یا بیوہ بہت کچھ کھو کر بچہ کو جوان کرتی ہے "سارا جوبن گہالو جب ایک لال پالو" مگر فیروزہ ان بدنصیب ماؤں میں سے ایک تھی جو فانی دولت اور عارضی طاقت کے ساتھ ایمان جیسی نعمت بھی گنوا بیٹھتی ہیں، قبروں کو سجدے اس نے کئے، پیروں کے قدم اس نے لیئے، گنڈوں کی بھرمار اس کے ہاں ہوئی، فلیتوں کی دوکان اس کے ہاں لگی، اگر ہندوستان میں تعویذوں کی نمائش ہوتی تو فیروزہ کا گھر اول رہتا جس کی اندرونی دیواروں کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ مختلف قسم کے تعویذوں سے پٹا پڑا تھا اور اس کا بچہ اول سے بھی آگے ہوتا جس کے جسم کا کوئی حصہ ازسرتاپا نقشوں سے خالی نہ تھا۔ اس ناز ونعم سے پلے ہوئے بچہ میں جس قدر عیوب و نقائص ہو سکتے ہیں حارث کی ذات میں وہ سب بدرجہ اتم موجود تھے، مشرک ماں کی گود میں پلا، لامذہبی کے دودھ سے بڑھا، بے پروری کی چھاؤں میں جوان ہوا، خود بینی کے سایہ میں ہوش سنبھالا، ہوشیار ہوا تو آٹھوں گانٹھ کمیت تھا،

حارث کے دور اول کی یہ آخری منزل تھی کہ طفولیت ختم کے قریب پہنچی، اعزا کو تو ضرورت ہی کیا تھی کہ دیوانی ماں کی نا جائز ممتا کا لحاظ کرتے اور طرح دیتے، ایک کہتا تو دس سنتا، اور آدھی کرتا تو پوری اٹھاتا۔ ہاں ناز برداری کے واسطے اگر تھی تو وہی بے وقوف جو ماں تھی، جو لڑکے کی گستاخی اور زبان درازی کو بھی یہی سمجھتی تھی کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں،

یہ حقیقت ہے کہ اگر حارث کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری نری فیروزہ پر ہوتی تو حارث مغلئی خاندان کی ایسی بلا ہوتا کہ الاماں الحفیظ، وہ تو خدا غریق رحمت کرے مرنے والے باپ کو کہ وہ بچہ کی افتاد اور بیوی کے مزاج سے آشنا ہو کر ایسا انتظام کر گیا، کہ چچا نے تھوڑی بہت تعلیم دلوا دی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حارث کی بساط عمر میں جہاں ہر طرف سیاہی پھیلی ہوئی، وہاں کہیں کہیں سفیدی کی بھی ایک آدھ جھلک نظر آ جاتی ہے۔

(۳)

مان لیا کہ حارث کہاتے پیتے باپ کا بچہ اور فیروزہ آسودہ باپ کی بیٹی تھی، مگر اس کے معنے یہ نہ تھے کہ بدبخت ماں بچہ کی شادی پر چڑھاوے تک صرف کر دیتی، اور بہو بیاہ کر دو دو دانوں کی محتاج ہو جاتی، ارمان تھا تو اتنا تو کہا نہ تھا، ہوتا ہے سب کے دل میں ہوتا ہے، مگر جیا ور دیکھ کر پاؤں پھیلاتے ہیں فیروزہ نادان

شوہر جس پر عورت گھمنڈ کرسکتی ہے اور وہ کمائی جس پر بیوی کو زور ہوتا ہے ختم ہو چکی تھی، "سائیں راج بلند راج، پوت راج محتاج راج" بچہ اس کے ہاتھوں میں اس کی گود میں اس آنکھوں میں جوان ہوا، وہ اس کی طبیعت سے اچھی طرح باخبر ہو چکی تھی اور سمجھ چکی تھی اور سمجھ سکتی تھی کہ حارث کی ہزار روپے کی آمدنی بھی میسر نہیں ہے، میرا کمانے والا قبر میں جا سویا، جو ہاتھ ہمیشہ بلند رہا وہ اگر ایسے ناہنجار بچہ کے سامنے پھیلا تو یہ وہ ناخلف ہے کہ کتے کے ٹھیکرے میں پانی پلا دے گا۔ مگر اس کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑے وہ اتنی اندھی اور اس قدر بہری ہوئی کہ وقت کی صدا کو ٹھکرایا عزیزوں کی صلاح کو دھتکارا اور دستور زمانہ کو پامال کیا، اور جو کچھ پاس اور پلے تھا سب اٹھا اور لٹا بیٹھی،

اب گھر میں آمدنی کا ذریعہ جو کچھ تھا، وہ حارث کی کمائی، فیروزہ کی حیثیت، افسوس یہ ہے کہ بھوکے دور میں داروغہ یا منتظمہ کی بھی نہ رہی، مگر اس کی دلبستگی اور عشق بانہمہ لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا تھا، اس پھول کی طرح جس کی کھلی ہوئی پنکھڑیاں دیکھتے ہی دیکھتے مرجھا جاتی ہیں، فیروزہ کا دل حارث کی صورت دیکھ کر کھلتا تھا، اور چشم زدن میں دماغ کسی ایسی وادی میں

لیجاتا تھا، جہاں تمام امیدیں ختم ہوجاتی تھیں، کبھی موت کا خطرناک دیو، کبھی بیماری کی مہیب صورتیں قلب کی تمام مسرتوں کا خاتمہ کر دیتیں، مملکت تخیل کی یہ بااختیار شہزادی جس کے جسم پر حارث کی شادی نے تن زیب اور چکن کی بجائے پیوند اور لیریاں لگادیں اس حالت میں بھی مگن تھی، وہ اپنی ہستی فراموش کر چکی تھی، یا حارث کی ہستی میں اس طرح غرق ہو گئی تھی کہ حارث کے سوا اس کے ذہن میں کسی اور نئے کا وجود ہی نہ تھا، بھلا اس خبط کی کوئی حد اور اس دیوانگی کی کوئی انتہا ہے کہ حارث کھانا کھا پی اور کیسا حارث ڈاڑھی مونچھوں والا کبھی گیا، اور وہ انگنائی میں اس امید پر ٹہل رہی ہے کہ کب چار بجیں اور وہ لوٹے، وہ اور کیا وہ، کوارا وہ نہیں بیاہا ہوا کمرے میں پڑا سو رہا ہے، اور یہ باہر اس واسطے بیٹھی ہے کہ کس وقت صبح ہو اور اس کی صورت دیکھوں،

(۴)

دن ڈھل ڈھل کر شام اور رات اٹھلا اٹھلا کر سحر ہو رہی تھی وقت کشاں کشاں نہایت خاموشی سے فیروزہ کو عمر کی منزل آخر میں لا رہا تھا، جوانی ختم ہوئی، اور اس کے ساتھ ہی

اعضا نے جواب دیا، وہ قیمتی جس کے گوہر آبدار سی اور لالے کا گہر تھے خزاں کے ظالم ہاتھوں سے پھولوں کی طرح جھڑنے شروع ہوئے، بوٹا سا قد پشت دوتا ہوا، اور سرخ و سپید رخسار پر جھریاں نمودار ہوئیں، حارث اگر غور کرتا تو جبائے فیروزہ کا ہر ذرّہ اس کے کان میں کہدیتا کہ فیروزہ وہی ہے، مگر آج اس کی روح حارث کے جسم میں، اور اسکی جوانی حارث کے اعضاء، اور اس کی طاقت حارث کے دماغ میں کام کر رہی ہے، جس چراغ سے چراغ جلتا ہے اور قلم سے پھول ہوتے ہیں، کیسے کیسے سرسبز و خوشنما درخت جن کی شمیم انگیزیاں راستہ چلتوں کے دماغ معطر کرتی تھیں لہلہاتے ہوتے ہیں۔ اور کیسی کیسی روشن شمعیں صحبت شب کے خاتمہ پر یاران بزم کے سامنے دم توڑتی ہیں، مگر زندہ ہیں اور رہیں گے وہ لہلہاتے اشجار جن کی قلمیں ان کا نعم البدل پیدا کر گئیں، اور روشن ہیں وہ بجھی ہوئی شمعیں اور گل ہوئے چراغ جن کی لو سے دوسرے چراغ روشن ہوئے ٭

ایمان کا فیصلہ اور انسانیت کا تقاضا یہ تھا کہ حارث ان جھریوں پر ان اور اس قدر پیرہت اہوتا، دیکھتا کہ اس دل میں جذبات کا کیسا دریا لہریں لے رہا ہے، اور اس ہستی میں کیا چیز پوشیدہ ہے جس نے اسکو سرو پوائشہ بنا دیا،

فیروزہ کی بہو ریحانہ بظاہر شریف خاندان کی لڑکی پڑہی لکھی ہشیار، سلیقہ شعار تھی، مگر افسوس بدنصیب ساس نے جتنا چھپایا، اتنا ہی کر کرا نکلا، اس کے اپنے کنبہ میں ایک سے ایک اچھی لڑکیاں جوان بیٹھی تھیں، اور اس لئے کہ بدنصیب نہ تھے، فیروزہ کے منہ سے نکلنے کی دیر تھی لیکن اس اسد کی بندی نے تو کنبہ کیا محلہ، بلکہ شہر بھی چھوڑا، اور بیٹی لائی تو کالے کوسوں حیدرآباد سے اور وہ بھی اللہ آمین کی بچی، ماں باپ کی اکلوتی، ہمیشہ سسرال رہتی تو وہ ہمیشہ میکے، جس طرح فیروزہ حارث کی دیوانی تھی اسیطرح حارث ریحانہ کا اور یہی سبب تھا کہ بیوی کی دلداری اور رضامندی کے مقابلہ میں وہ خود ہر قسم کی اذیت گوارا کرنے کو آمادہ تھا اور تنہا کیا کرتا تھا لیکن کیفیت یہ ہوتی تھی کہ ادہر بیوی میکے رخصت ہوئی، اور ادہر حارث پر دیوانگی کا بھوت چڑھا، اور ضبط کا دورہ ہوا، کچہری جاتا تو خیر مجبوری تھی، مگر آیا تو اٹواٹی کھٹواٹی لے پڑ رہا۔ ہرچند ماں پیچھے پھرتی مگر وہ منہ سے بولتا نہ سر سے کھیلتا، بلکہ یہ وہ وقت تھا کہ اسکو ماں کی صورت زہر اور باتیں تیر لگتیں اور کوشش کرتا کہ ماں کی صورت نہ دیکھوں اور اس اعتبار سے اس کی کوشش جائز بھی تھی

کہ اس کی آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں ایک حسین وجمیل بنی ٹھنی دلہن اور نظر آتی تھی، ایک بڑھیا سرجھاڑ منہ پہاڑ، فیروزہ بیچھتی سب کچھ تھی، مگر کچھ ایسی فنا فی الحارثہ تھی کہ وہ بیاہے دیکھ لیتی اور خوش ہو جاتی، تاہم حارثہ کی لگی میں وہ خاموش نہ رہ سکی، اور یہ خدا جانے کہ اپنی بدقسمتی سے یا حارثہ کی، اس نے معاملہ میں دخل دیا اور بہو سے کہدیا بیٹا ہوئی ہوئی کرو آن ہوئی نہ کرو، بیٹی جب میکہ سے رخصت ہوئی تو اسکو سسرال آباد کرنی ہے، وہیں رہنا اور وہیں بسنا، ایک تم ہی انوکھی بیٹی نہیں ہو، دنیا جہان کی بیٹیاں بیاہی جاتی ہیں، امیروں کی بھی اور غریبوں کی بھی بڑی بڑی سونے جھونے والیاں پھٹے پرانے پہنتی ہیں اور اُف نہیں کرتیں، تم نے کیا سنا نہ ہوگا، لاٹے سجنوں کی بیٹیاں جور کہیں نیچوں کی لاج ہیٹی برا نہ ماننا، بڑوں کی لاج یہی ہے کہ اپنے گھر کی سوکھی باپ کی بریانی سے اچھی مہینہ دو مہینہ کی دلہن نہیں ہو، اللہ رکھے تین برس کی بیاہی اور بچوں کی ماں، یہ اٹھا اُچھلطا کب تک رہیگی کبھی میاں کبھی وہاں بیگم اللہ رکھے اب پلہ بھاری ہے، چھوکری نہیں ہو کہ کاتا۔ اور لے دوڑی، جب جی میں آئی اٹھیں اور ریل میں بیٹھیں میاں پریشان نوکر حیران، گھر کا گھروا، یہ قرینہ ہے

کہاں کا، اللہ بخشے، مری بن چکیں اب گھر والی ہو۔ ایسا ہی ہے تو خیر سال میں ایک آدھ مہینہ میکے کا بھی سہی، لیکن یہ اندھیر تو دنیا میں کبھی نہیں ہوا کہ مہینہ بھر یہاں اور دو مہینہ وہاں۔ میں نے تو یہ رنگ کہیں دیکھے نہ سنے، دور کیوں جاؤ تمھاری اپنی سگی خالہ کی بیٹی بہن موجود ہے، تمھارے ہی سامنے بیاہی آئی، اور آج سات مہینے سے سسرال میں ہے، دل اس کا بھی ہے، اور ماں باپ اس کے بھی رکھتے ہیں مگر جانتی ہے کہ مرنا اور بھرنا، میری جان! ہوں تو ساس مگر ماں بن کر سمجھا رہی ہوں، غصہ خفگی نہیں، طعن طعنہ نہیں، شفقت سے کہتی اور محبت سے بتاتی ہوں کہ بیٹی پرایا دھن ہے، یا لٹو دولت لٹاؤ، جانیں لڑاؤ اور وداع کر کے ہاتھ جھاڑ خالی ہو بیٹھو۔ یہ میری گوندنی والی بھاوج جن کو تم پھٹے حال دیکھ رہی ہو سدا کی ایسی نہ تھیں، ابھی ایک آدھ مری جیتی بڑھیا اور بڑا بوڑھا اسی محلہ میں ایسا نکل آئے گا جس کی آنکھوں نے ان کی وداع کا سماں دیکھا ہے، یہ لالہ ولی سے سڑک جہیز سے پٹی پڑی تھی، گلی میں کھوا چھلوں کے مارے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، یہ آج کل کی چھوکریاں کیا لائیں گی اور کیا لیجائیں گی۔ ٹکوں الیس جوڑے جن کے ساتھ تھے، جسوقت پالکی میں بیٹھی ہے تو ما

سمدھن کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوئی، اور کہا بہو نہیں خدمت کو لونڈی دیتی ہوں ہمارا رشتہ تو آج سے ختم ہوا، اب یہ تمہاری اور تم اس کی۔ خدا تم کو اس کی بہاریں دکھائے، ہم تو خدمت گذار تھے اور اسی دن کو پالا تھا۔

بہو بیگم قسم کھا کر کہتی ہوں سننے والوں کے کلیجے اس تقریر سے پھٹ رہے تھے ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے حیرت سے ایک ایک کا منہ تکتی تھیں کہ دولہا والوں نے تقاضا کیا، ڈوپٹے سے آنسو پونچھے، آیۃ الکرسی پڑھ کر بچی کے منہ پر پھونکی اور اندر چلی گئیں، اور جب تک زندہ رہیں ایک دن یا ایک گھڑی کو بھی بغیر اجازت لڑکی کو نہ بلایا۔"

(۵)

ریحانہ دور اندیش عورت تو نہ تھی، مگر ایسی بھولی بھی نہ تھی کہ رائے پر آ جاتی اور تعلقات ختم کر دیتی، میاں بیوی کی گفتگو کیسا ہوئی، ریحانہ نے ساس کی نصیحت کو کس رنگ میں بیان کیا اس کا پتہ تو ملا نہیں، مگر بظاہر تو وہ ساس کے سامنے بجا اور درست ہی کہتی رہی، لیکن اس واقعہ کا شاید تیسرا یا چوتھا روز تھا کہ حارث کچہری چلنے لگا تو فیروزہ حسب عادت دور سے کھڑی اس کی طرف

کچھ پڑھ کے پھونک رہی تھی وہ ٹھٹکا اور بیٹھکر پھر کمرہ میں واپس آگیا،

"صبح ہی صبح اپنی صورت مت دکھایا کرو، تمام دن مصیبت کا گذرتا ہے"

یہ الفاظ بجلی تھے جنہوں نے فیروزہ کے تمام جسم میں سنسنی پیدا کر دی، آج اسکو معلوم ہوا کہ جس بیج کو مٹ کر بویا، جس پودے کو خون جگر سے سینچا جس درخت کی سیوا میوے کی توقع پر کی تھی اور جس حارث کو قربان ہوکر جوان کیا تھا وہ میری صورت کو منحوس سمجھ رہا ہے روتی ہوئی سامنے سے اُٹھی اور ایسا جی بھر کر کہ روتے روتے بالکل بے قابو ہوگئی اور ایسی بے قابو اور بے اختیار کہ رونے کی آواز باہر پہنچی، کمرہ میں پہنچی مگر وہ سنتا ہوا، اور کھلکھلاتا ہوا کچہری چلا گیا، کون کہہ سکتا ہے کہ تماشہ دیکھنے کو یا سمجھانے کو خوش ہوتے کو یا ہمدردی کرنے کو ریحانہ ساس کے پاس آئی اور تھوڑی دیر بیٹھی ادھر اُدھر کی باتیں کیں اور چلی گئی ۔

فیروزہ یہ تو نہ سمجھ سکی کہ بیٹے بہو نے مجھ کو سزا دی البتہ اتنا اس کو معلوم ہوگیا کہ حارث مجھ سے فرنٹ ہوگیا، اور اس نفرت میں ریحانہ شریک

ضرور ہے، مگر وہ ساتھ ہی یہ بھی سمجھ رہی تھی کہ اپنا دام کھوٹا پرکھنے والے کا کیا دوش، رات کو حسب معمول ماما کھانا لائی اور فیروزہ نے جوں کا توں واپس کردیا مگر اس کا یہ خیال یا توقع کہ جب حارث کو کلیجہ سے چمٹا کر پیٹ بھرا ہے وہ صرف میٹھی زبان سے دل خوش کرے گا، محض غلط تھا دونوں میں سے ایک نے بھی پرواہ نہ کی اور وقت مقررہ پر کمرہ بند ہو گیا۔

فیروزہ نے اس سے پہلے بھی بہت سی راتیں جاگ کر کاٹی ہوں گی، بیماری تو کیا وہ اس حارث کی تندرستی میں بیماری کے اندیشہ سے رات بھر اور ایک آدہ دفعہ نہیں اکثر جاگی ہے، مگر آج کی رات عجیب رات تھی، جب اس کی محبت کا پھل خدمت کا صلہ اور عمر کا نتیجہ مل رہا تھا، لیٹے لیٹے اس کے دل میں ایک جوش اٹھتا، کھڑی ہو جاتی، باہر نکلتی اور دیکھتی کہ جس کو نبا کر بگڑی ہی وہ خوش ہے، یہ رو رہی ہے وہ ہنس رہا ہے، یہ سلگ رہی ہے وہ قہقہے لگا رہا ہے، بے آپے ہو کر ایک دفعہ قصد کیا، دروازہ کھلواؤں، یہ ہی ہو گا کہ خفا ہو گا، بدزبانی کرے گا، بُرا بھلا کہیگا، مگر صبح کا چرکہ ایسا کاری لگ چکا تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی، رات اسیطرح جل جل کر اور کھلس کھلس کر بسر کردی صبح

ہوئی تو نہ معلوم کس خیال میں غرق دل ہی دل سے باتیں کرتی باہر نکلی، کہ دفعتہً حارث بھی کمرہ کھول کر باہر نکلا، ماں کو دیکھ کر نگاہ نیچی کر لی، مگر فیروزہ پھر بے اختیار ہوئی، اور آنکھ میں آنسو آ گئے، یہ کیفیت بمشکل ایک دو لمحہ طاری رہی ہو گی حارث اوپر چلا گیا اور یہ اپنی دھن میں غرق ہو گئی۔

ہم نہیں جانتے کہ اس کو کیا کہیں، محبت تھی شفقت تھی، حمایت تھی، عادت تھی یا یوں ہی سہی حماقت تھی۔ بہرحال جس حرکت کا اتنا کافی خمیازہ بھگت چکی تھی اب اس سے اجتناب کرتی اور آئندہ کچھ بھی گزر جاتی پھر اس محبت کا نام نہ لیتی لیکن مجبور تھی یا بے وقوف اس کے جلنے اور سلگنے کا ایک یہ سامان بھی گھر میں اور موجود تھا کہ ریحانہ شوہر کے سامنے تو بارہ مہینے کی بیمار اور کھانے سے معذور تھی مگر جہاں اس نے باہر قدم رکھا اور چولہے پر پتیلی چڑھی کبھی سٹورہ ہے، کبھی انڈوں کا حلوا ہے کبھی ساؤ اور اسی پر بس نہیں کوئی میوے والا دروازے سے خالی نہ جائے، دن بھر سیب ہیں، انگور ہیں، سردے ہیں، انار ہیں، فیروزہ کھلم کھلا نہیں تو کن انکھیوں سے تو دیکھتی ہی تھی کہ حارث سیب کی ایک قاش کے لیے منتیں اور خوشامدیں کر رہا ہے، مگر ورد سر کا عذر پیش اور صاف انکار ہے، اور اگر

دیکھنے کا بھی موقعہ نہ ملتا تو سنتی تھی کہ شوہر لاکھ سر ٹپک رہا ہے
مگر بیوی ہاتھ نہیں ڈالتی بیوقوف تھی یا نا عاقبت اندیش ضبط
نہ کر سکی اور ایک روز دوپہر کے وقت جب دروازہ
کچھ کھلا ہوا اور کچھ بند تھا اور آموں پر کچھ کشمکش
ہو رہی تھی ریحانہ کسی ضرورت سے باہر آئی تو فیروزہ نے کہا،
"بیٹی اتنی دیر سے خوشامد کر رہا ہے ایک آم کھا لو"
"فیروز کھاتی ہی ہو، اس کے آموں میں کیا زہر
مل گیا ہے کہ چھونا تک حرام ہے"
یہ الفاظ ریحانہ نے کیا حارث نے بھی سنے، ریحانہ تو کچھ نہ بولی
مگر حارث غصہ میں بھرا باہر آیا کہنے لگا،
"سخت بیجا ہو، میاں بیوی کے معاملہ میں تم دخل
دینے والی کون چھورت نہیں دیکھتا، بات نہیں کرتا،
مگر اب بھی پیچھا نہیں چھوٹتا، یہ کمبخت کیا روز آم
کھائے گی، ایک قاش سے تو وہ ٹرکن ہوتی ہے،
اتنا بڑا بہتان! بس اب یہی بہتر ہے کہ میں ہی اس
گھر سے نکل جاتا ہوں، تم بیٹھی چین کرو، یا ابھی ادھر
دیوار اٹھوا دیتا ہوں تم ادھر نہ آیا کرو"
حکم اور وہ بھی ماں کے مقابلہ میں اور بیوی کی حمایت میں
ناگوار تھا ہی تھا گھنٹہ بھر کے اندر کام شروع ہو گیا، اور

دوسرے دن شام کو تو بی فیروزہ بیٹے کی صورت تو دور کنار آواز تک کو ترس گئیں، دونوں وقت وہ بھی جب فرصت ہوئی گلی کا چکر کھا کر ماما کھانا لے آئی، مگر یہ حکم نہ تھا کہ دم بھر ٹھیر سکے،

بدنصیب فیروزہ کا یہ دور عجیب عبرت انگیز تھا، آدمی نہ آدم زاد، تن تنہا دن کو رات اور رات کو دن کرتی متواتر تین دن اس کوشش میں گذرے کہ دور ہی سے کسی طرح وارث کی جھلک ایک دفعہ دیکھ لوں، صبح سے دروازہ میں گردن نکالے اس توقع پہ بیٹھ جاتی کہ کچہری جائیگا تو دیکھ لوں گی۔ مگر بڑے دروازے کے چبوترے اور گلی کے موڑنے یہ توقع پوری نہ ہونے دی، چوتھے دن جب دل کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو اس لیے کہ برقع موجود نہ تھا، رضائی اوڑھ کر باہر نکلی اور بیٹے کے گھر میں پہنچی، میاں بیوی اسوقت قہقہے لگا رہے تھے کہ فیروزہ سامنے آئی، اور رو رو کر کہنے لگی،

"حارث میں صرف صورت کی بھوکی ہوں چوبیس گھنٹہ میں ایک دفعہ صورت دکھا دیا کر، کئی دن کی سخت کوشش کے بعد آج اتنی کامیابی بچھڑی ہوئی ماکو ضرور نصیب ہوئی کہ جس کھڑے کی دیوانی تھی جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی تھیں، وہ خوش و خرم نظر آگیا، مگر اتنی ہمت نہ تھی اور اجازت بھی تھی کہ ہاتھ لگا کر دل ٹھنڈا

کر لیتی، یا قریب پہنچکر اچھی طرح اسے دیکھ لیتی، دل بگڑ رہا تھا، اور تیہا ڈبے چکا تھا، دونوں میاں بیوی کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی، اور پورا یقین تھا کہ بپری التجا بیکار نہ جائے گی، مگر جب کوئی جواب نہ ملا تو دو قدم اور آگے بڑھی، اب وہ قیامت خیز منظر سامنے آیا، جو چشم انسانی نے بہت کم دیکھا ہوگا فیروزہ اپنی تمام توقعات میں ناکام ہوئی، تو گریہ نے ہچکی کی صورت اختیار کی، محبت کا دریا امنڈ رہا تھا، مامتا کا جوش دہ رہ کر اُبلا اور آگے بڑھی حارث کے منہ پر ہاتھ پھیرا تو ستائیس سال کی خشک چھاتیوں سے دودھ بہنے لگا، حارث کے قدموں کی طرف جھکی اور کہا "

"اُس دودھ کا واسطہ اپنی صورت کو نہ ترسا"

اس منظر کا اثر حارث پر یہ ہوا، اور غنیمت ہے کہ کچھ ہوا کہ خاموش اُٹھکر اندر کمرے میں چلا گیا، بہو سامنے آئی مگر غیروں کی طرح جھکی اور انجانوں کی طرح بے خبر،

فیروزہ کے وہ قدم جو بڑی بڑی توقعات میں مگن اُٹھے تھے جب اپنی تمام حسرتوں اور امیدوں کا خون اپنی آنکھ سے دیکھ چکے تو ناکام لوٹے، آفتاب غروب ہو رہا تھا اور خاتمہ روز روشن، کل من علیہا فان کا

نقارہ بجا رہا تھا بدنصیب ماما اسی طرح رضائی اوڑھے اپنے گھر واپس آئی ماما اور چارپائی پر گری آنسو بند ہو چکے تھے، اور توقعات کی انتہائی ناکامی نے حواس سلب کر دیے تھے وہ شبانہ روز اسی طرح بسر ہوئے، کھانا حرام تھا، اٹھتی پانی پیتی، اور کسی کونے میں گر پڑتی، تیسرا یا شاید چوتھا روز تھا کہ ماما نے بہ منت کہا، "بیوی مجھے ایک دفعہ دور سے میرے بچے کی صورت دکھا دے خدا تیری ماما ٹھنڈی رکھے"، ماما صاحب لائی تھی فیروزہ کے ساتھ روئی، اور کہا "بیگم کیا کروں اسی روز سے میاں نے دروازہ بند رکھنے کا حکم دے دیا ہے، بس صبر کیجئے اور خدا سے لو لگائیے"۔

فیروزہ کا وہ دور تھا کہ دن دن بھر اور رات رات بھر انگنائی کے چکر کاٹتی، ماما کے بہت کہنے سننے سے برائے نام کچھ کھا لیتی، ورنہ وہ تھی اور یادِ دلدار کبھی دفعہ ایسا ہوا کہ اسی جوش میں بے اختیار حارث حارث چیخ کر آوازیں دے بیٹھی، جب پندرہ دن کے قریب اسی طرح گزر گئے تو ایک روز جب ماما نے آکر کہا کل سے میاں کا جی اچھا نہیں ہے، آج کچہری بھی نہیں گئے تو دل ہوا ہو گیا۔ خاموش سنتی رہی، مگر ماما کے جاتے ہی سوچنے لگی کہ کیا کروں، کس طرح دیکھوں، خبر نہیں کیسا جی ہے،

بخار ہوگا اسے ہے کہیں وہی دورہ آ ٹہہ آیا ہائے اللہ کیونکر دیکھوں ہائے ہائے کلیجہ نکلا اسے اللہ رے اللہ کیا کروں،
اسی طرح بلبلاتی اٹھی اندر گئی چارپائی لائی دیوار سے لگائی اور سوچا کہ اوپر چڑھ کر چھت پر بیٹھ انگنائی میں جھانکلے گا، دیکھ لوں گی، چارپائی چھوٹی تھی منڈیر اونچی محبت کی دیوانگی میں کچھ نہ دکھائی۔ چارپائی سے چڑھ بیچ کی دیوار پر آئی جو دونوں گھروں میں مشترک تھی، اور منڈیر پکڑ کی کہ چھت پر چڑھے۔ پچاس پچپن برس کی ڈھیا ہاتھ میں طاقت نہ پاؤں میں سکت، یہ بھی حیرت تھی کہ اتنی دور کیونکہ چڑھی، منڈیر ہاتھ سے چھوٹی اور دھڑام سے گری تمام منہ لہولہان ہوگیا، بہوا ور ماما دونو یہ سوانگ دیکھ رہے تھے، ماما دوڑی ہوئی تو سر سے خون بہ رہا تھا، روز کر اٹھایا اور لپیٹ لپٹا کر لٹایا چوٹ سخت تھی بخار چڑھا اور شام تک فیروزہ لوتھ ہوگئی،

(۔۔)

خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے وہ مصیبتیں جو ایک اس ماتا کے کارن بانصیب فیروزہ پر پڑیں خدا کا دھیان اگر اس سے آدھا بھی کرتی تو پار سی ہوجاتی کس کو خبر ہوتی ہے کہ کل کیا ہوگا، اور اب کیا ہونیوالا ہے، فیروزہ

بدبخت کو کیا معلوم تھا کہ جن نابکار جس کے واسطے مٹ رہی ہوں اور یہ روسیاہ جس پر قربان ہو رہی ہوں اتنا کٹر اور ایسا سنگدل ہوگا کہ دیوار بیچ اس کی صورت کو ترسوں گی، اور رخ نہ کریگا دنیا اپنے تماشے دکھا رہی ہے مگر صد آفرین دنیا والوں پر کہ رات دن یہ رنگ دیکھتے ہیں اور آنکھ نہیں کھلتی۔ خدا کی شان ہے کہ بدنصیب ماں کا بیٹا موجود، بہو موجود، ماما موجود، نوکر موجود، اور کوئی پانی تک پلانے والا میسر نہ ہو۔ کیا یہ غلط ہو سکتا ہے کہ اگر فیروزہ اس حال میں مر جاتی تو آخر وقت کوئی شہد تک ٹپکانے والا نصیب نہ تھا۔ حارث اگر انکار کرے تو وہ جھوٹا اس کی سات پشت جھوٹی۔ ماما کا دل مظلوم کی حالت پر کٹا، وہ روتی ہوئی گئی، اور باواز بلند کہا کہ آگ لگے اس ممتا کو دیکھئے تقدیر کیا دکھاتی ہے بدنصیب مٹی سے گری لہولہان ہو گئی۔

حارث درحقیقت اندھا تھا بیوی کی محبت میں اور عاشق تھا اپنے نفس کا، سنتا جو بیوی سناتی تھی اور کرتا جو وہ کہتی تھی۔ ماں اب ہی کہ تاراج و برباد ہو چکی تھی اس قابل تھی کہ حارث اور اس کی بیوی جیسے وحشی کو دل سے کر چھوڑ دے۔ یہ گھر جس کی انگنائی پر یہ مکان جس کی زمین پر فیروزہ کے لال حارث نے پہلے قدم لوٹے

اسی کی ملکیت تھا جو حارث کی شادی کے بعد باپ کے
ترکہ سے ملا، کرب و اذیت کی حالت میں تھی کہ حکیم میسر تھا نہ
ڈاکٹر، زبان پر حارث کا کلمہ تھا، ماما کی منتیں کیں، بہو کے آگے
ہاتھ جوڑے کہ ایک دفعہ حارث کی صورت دکھا دو، بیوی نے
نہ کہا ہو تو وہ جانے اور اس کا خدا، مگر ماما نے ماں کا پیام
حرف بحرف پہنچا دیا، اور کہہ دیا کہ شدت درد و تکلیف
میں بھی صرف اسی ایک نام کی رٹ ہے، یہ صحیح کہ سننے
میں خبر پہنچتے ہی فیروزہ کا سارا کنبہ امنڈ آیا، بہنیں آئیں
بھاوجیں آئیں، بھانجے آئے بھتیجے آئے، دنیا آئی اور گئی، مگر
نہ آیا تو وہی منحوس جس کی شیدا تھی۔

(۷)

حقیقت یہ تھی کہ ریحانہ کی دلی خواہش جس کا اس نے
کبھی پتہ نہ لگنے دیا یہ تھی کہ حارث وطن کو خیرباد کہے، ملازمت
کو ترک کر مکان بیچے، اور حیدرآباد چل کر تجارت کرے،
زبان سے تو اس خواہش کا اظہار اس نے حارث کے
سامنے کبھی نہیں کیا، مگر اس تجویز کی طرف راغب اور
آمادہ ہمیشہ کرتی رہی یہ تو اس نے صاف صاف کہہ دیا
تھا، اور ایک آدھ دفعہ نہیں بارہا۔
نتھیاں کی آب و ہوا مجھے راس نہیں ایک دن بھی اطمینان کا

نہیں گذرتا۔ کہانا ہضم نہیں ہوتا۔ ہاتہہ پاؤں ٹوٹتے رہتے ہیں۔
آنکھوں میں جلن پیٹ میں فتراقر، یہ وہ اچھی طرح سمجھتی تہی کہ حارث
بن داموں کا غلام ہے جس بل بچاؤں گی ناچے گا۔ مگر
ساس کا کانٹا قیامت ہے کسی طرح اسکو نکال باہر کروں اور اس
طرح کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ کام ہونا ہو نہ ہو، چنانچہ وہ اپنی
کوشش میں کامیاب ہوئی اور اب فیروزہ کے لیئے تو برابر کا گھر ہی
سو پردیسیوں کا پردیس تہا، وضع حمل کا وقت قریب تہا اور یہ
ناممکن تہا کہ ریحانہ میکے نہ جائے ایک روز دوپہر کے وقت جب
دونوں میاں بیوی بیٹھے باتیں کر رہے تہے بیوی نے کہا،
"سنتی ہوں اور سنتی کیا ہوں ہے بھی یوں ہی کہ جننا اور مرنا
برابر ہے میں اب جا رہی ہوں، کیا خبر پہر ملنا نصیب ہو یا نہ ہو
میرا کہا سنا معاف کرنا"
اب حارث کو کہاں تاب تہی چیخ اوٹہا ہچکی بندہ گئی، اٹہہ کھڑا
ہوا، اور بیوی کا ہاتہہ ہاتھ میں لیکر کہنے لگا،
"گھبراؤ مت میں تمہارے ساتہ ہوں گا"
(بیوی) اس سے بہتر کیا ہوگا ابا جان نے تو بارہا کہا میاں آن کر
تجارت کا سلسلہ شروع کرو۔ دس بارہ ہزار کا مکان بک ہی
جائے گا، اس ساٹھہ روپے کی نوکری میں غلامی کے سوا کیا رکہا
ہے"

گفتگو ختم ہوئی۔ حارث باہر نکلا، وہاں آنسو شروع ہو گئے، اور وہ دن اور وقت بھی آ گیا کہ بدنصیب فیروزہ نے حارث کی رونمائی ساڑھے گیارہ ہزار کا مکان نذر کیا،

ماما کی زبانی جس وقت فیروزہ کو معلوم ہوا کہ آج رات کو دونوں میاں بیوی حیدرآباد سدھار رہے ہیں تو تڑپ گئی تھی، اپنی چھوٹی سی بچی لے کر روتی ہوئی پہنچی اور دونوں میاں بیوی سے ہاتھ جوڑ کر کہا "مجھے بھی ساتھ لو"

یہ درخواست منظور ہوئی نہ ہو سکتی تھی، ماما کی ماری بیچاری گاڑی کے پیچھے سائیس کی جگہ بیٹھی اور اسٹیشن پر ایک دفعہ اور دونوں سے التجا کی، لیکن یہ کوشش بھی کارگر نہ ہوئی، اس وقت فیروزہ عورت نہیں ایک پتھر تھی جو ٹرین کے آگے خاموش مسافروں کے دھکے کھا رہی تھی، انجن نے سیٹی دی اور فیروزہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا "حارث رحم کر"

گاڑی روانہ ہوئی فیروزہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔

طلوع آفتاب سے قبل فیروزہ کی داستان بچہ بچہ کی زبان پر تھی اس کے اپنے عزیز سنتے ہی تلاش میں نکلے، مگر خدا معلوم زمین کھا گیا یا آسمان، تمام شہر چھان کر ڈالا لیکن فیروزہ کا پتہ نہ چلا،

(۸)

مظلوم فیروزہ کے بعد جفا کار حارث پر کیا گزری طویل داستان ہے

جب آباد پہونچکر اسے معلوم ہوا کہ عاشق زار اس کے ظلم سہنے کو سدا
رہنے والی نہ تھی، اس کی خبر موت نے جو خودکشی تھی حارث کی آنکھیں
کھول دیں، اسے اس کی آنکھ بند ہوتے ہی بہوتے طوطے کی طرح
ویرانے کے اکثر مرداسے میں اکیلا پڑا رہتا اور کوئی پوچھتا تک
نہیں کہ کیا ہوا، اور کیا گزری ان مظالم کی تصویر جو ماہ پر توڑے
سامنے آتی کانپ جاتا اور رو دیتا۔ مگر یہ وہ وقت تھا کہ کوئی تلافی
ممکن نہ تھی، جس وقت اس فریفتگی اور اپنی بے اعتنائی، اس کی
التجا، اپنا ظلم، اس کا عشق اور اپنی نفرت یاد آتی تو تھرا اٹھتا،
لیکن اب کوئی علاج ممکن نہ تھا۔

دو مہینہ بعد جب لڑکا پیدا ہوا، اور ریحانہ کے عزیزوں نے
کرتے ٹوپی بھیجے ٹھیک دوپہر کے وقت حارث ماہ کو یاد کرکے
رو رہا تھا کہ ڈاکیہ نے ایک پارسل دیا، کھولا تو اس میں پیدا ہونے
بچے کا ایک کرتا تھا جس میں یہ پرچہ لپٹا ہوا نکلا،

حارث میاں کو عاشق زار کی لکھو کھا دعائیں۔ میاں جب
تم نے اپنے گھر سے نکال دیا اور دنیا میں میرا کوئی نہ رہا تو
بس اس کے گھر میں آئی جو سب گھروں کا گھر والا ہے۔
خانۂ خدا سے رخصت ہو کر دربار رسول میں حاضر ہوئی اور چند
سطریں ارض حجاز سے روانہ کر رہی ہوں یقین
کرنا کہ آج بھی جب تم سے ہزاروں کوس دور بیٹھی ہوں

کوئی لمحہ تمھاری دعا سے خالی نہیں جاتا۔ تم کو اب ماتا کی قدر ہو گی اور سمجھو گے کہ گنہگار ما کے دل پر جس کو تم نے اپنی صورت سے محروم کر دیا کیا گذری ہو گی، بیٹا میں تمھارے نام کی عاشق اور صورت کی دیوانی تھی، اور اب بھی ماتا کی وہ آگ جو کلیجہ میں سلگ رہی ہے اللہ بہتر جانتا ہے۔ روضۂ رسول پر جہاں ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا ہے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہوں کہ شاید وہ صورت نظر آ جائے جو ہمیشہ ہمیشہ کو بچھڑ گئی تم نے مجھ سے وہ بچہ بچھڑوا دیا جس کے قدموں پر قربان رہی، جس کی آواز کی دیوانی اور جس کی شکل پر پروانہ تھی، تم نے مجھے الٹی چھری سے ذبح کیا، اور میری آرزو کو ٹھکرا دیا۔ تم کو وہ وقت یاد ہو گا جب ماتا کی ماری ما نے اسٹیشن پر تم دونوں میاں بیوی کے آگے ہاتھ جوڑے اور التجا کی کہ حارث! نہیں جاتا مجھ اور خدا کا واسطہ اس صورت سے محروم نہ کر، لیکن میری التجا بیکار اور خدا کا واسطہ بے سود رہا۔ میں نے جس محبت اور مصیبت سے بالشت بھر کے لوتھڑے کو جوان

کیفنا، وہ میں ہی جانتی ہوں بیان
میرا قصور اتنا سنگین نہ تھا کہ ایسی
سخت سزا پاؤں، خدا تم کو بیوی
بچوں کی بہار دکھائے، مگر جب ماں متا
کے جوش میں بچے کو کلیجہ سے چمٹاؤ
تو اس وقت اس ماں کو بھی یاد کر لینا
جو صورت کو ترستی، اور آواز کو پھڑکتی
بے یار و مددگار وطن سے نکلی، میں اس وقت
تمہارے پاس نہیں ہوں مگر میری
دعائیں تمہارے پاس ہیں اور ہر
نماز کے بعد گڑگڑاتی ہوں کہ خدا تم کو
اپنی حفظ و امان میں رکھے بچہ پیدا
ہو گیا ہو گا باپ بن چکے ہو گے کرتے
ٹوپیاں آرہی ہوں گی، پھر ایک
کرتا بدنصیب ماں کا بھی قبول کرو پھر وہ
کرتا ہے جو میں نے تمہاری پیدائش کے
وقت تمہیں پہنایا تھا، اور جو اس وقت
تمہارے جسم پر تھا جب تم میری
گود میں سے تھے۔"

ماں کا یہ خط پڑھکر حارث چیخیں مارنے لگا کرتہ کو غور سے دیکھا تو بیچ میں یہ لکھا تھا ؎

گر از عہد خوردیت یاد آمدی | کہ بیچارہ بودی در آغوش من
نہ کردی دریں روز بر من جفا | کہ تو شیر مردی و من پیرزن

شریف ہندوستانی بیبیوں کے لئے

مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

کا

مشہور باتصویر ماہوار رسالہ

عصمت!

اٹھارہ سال سے کامیابی سے جاری ہے اور اس عرصہ میں جو وقعت اور شہرت حاصل کر چکا ہے اردو کے بہت کم ماہوار رسائل کو نصیب ہوئی ہے ملک کے نامور اور ممتاز اہل قلم کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہترین لکھنے والی خواتین کی معتدبہ جماعت عصمت کی مستقل مضمون نگار ہے بامحاورہ اور سلیس اردو میں عورتوں کے مطلب کے بیش بہا مفید اور دلچسپ مضامین نئے مذاق کی نفیس تصاویر چکنے ولایتی کاغذ۔ اعلیٰ درجہ کی چھپائی۔ بہترین لکھائی نہایت خوبصورت ٹائیٹل سے مزین ہو کر عصمت نہایت پابندی وقت اور آب و تاب سے شائع ہوتا ہے اور اشاعت میں ایک دن کی بھی دیر نہیں ہوتی عصمت نہایت شاندار اور رسالہ ہے اور پڑھی لکھی بیبیاں ہی نہیں تعلیم نسواں سے دلچسپی رکھنے والے مرد بھی نہایت شوق سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں سالانہ چندہ پیشگی عام حضرات سے للعہ صرف ۲ کے ٹکٹ آنے پر نمونہ بھیجا جا سکتا ہے

مینیجر عصمت دہلی

اطلاع بحیثیت کے تمام حقوق محفوظ ہیں کوئی صاحب اس کے جزو یا کل کو چھاپنے کا قصد نہ فرمائیں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہونگے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت دہلی